عصمت انبیاء اور نظم قرآن میں علامہ عبدالستار محدث دہلویؒ صاحب کے تفردات

محمد ابراہیم محمدی*

ALLAMA ABDUL SATTAR MOHADITH DEHELVI (1905-1966) is the famous personality of Indian Sub Continent(برصغیر پاک). He served Uloom E Islamia very well. He was not only a shaikh ul hadith(شیخ الحدیث). But also a successful Reformer and preacher. He served uloom e islamia about 40 years. He has to his credit 28 books, spreading upon different fields of Tafseer, Hadith and Fiqh. In this article , we shall discuss in detail his unique ideas and approach towards two much significant issues, ismat-e-Anbya and Nazm-e-Quran.

علامہ عبدالستار محدث دہلویؒ کا مختصر تعارف

نام: عبدالستار   کنیت: ابو محمد اور شیخ الحدیث خطاب ہے۔

تاریخ پیدائش: اوائل رجب 1323ھ بمطابق 6 ستمبر 1905ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔(1)

ابتدائی تعلیم: سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد سب سے پہلا ختم بطور تراویح مکہ مکرمہ میں پڑھائیں۔(2)

علوم عالیہ کی تحصیل و تکمیل:

مکہ مکرمہ سے واپسی پر آپ نے علوم ابتدائی متوسطہ اور عالیہ کی تعلیمات حاصل کیں۔ بلا کا حافظہ پایا تھا اس لئے آپ نے سالوں کا سفر مہینوں میں طے کیا۔(3)

علوم تفسیر، علوم حدیث، علوم فقہ، اصول فقہ، منطق فلسفہ علم الکلام کا تخصص: مندرجہ بالا تمام علوم میں بصد شوق اور گہرائی کے ساتھ تخصص کیا۔

مسند شیخ الحدیث والتفسیر: 1345ھ بمطابق 1927ء میں آپ کو مدرسہ دار الکتاب والسنہ میں شیخ الحدیث والتفسیر کی ذمہ داری باقاعدہ طور پر تفویض کی گئی۔

تلامذہ: علامہ دہلویؒ صاحب 1344ھ بمطابق 1926ء سے 1384ھ بمطابق 1966ء تک مدرسہ دار الکتاب والسنہ دہلی اور پھر مدرسہ دار السلام کراچی میں تشنگان علوم آسمانی کو قرآن وحدیث پڑھاتے رہے

☆ ریسرچ سکالر، شعبۂ تقابل ادیان و اسلامک کلچر، سندھ یونیورسٹی، جامشورو۔

تھے اس طویل مدت میں آپ سے قرآن پڑھنے والے تلامذہ کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ جسے ضبط تحریر میں لانا دشوار ہے۔" تاہم چند تلامذہ کے اسماء گرامی پیش خدمت ہیں"۔

1۔مولانا حافظ عبدالقہار صاحبؒ (آپ کے برادر خورد مدرس و مفتی جماعت غرباء اہل حدیث پاکستان)

2۔مولانا حافظ قاری عبدالحکم صاحبؒ (مدیر صحیفہ اہل حدیث کراچی)

3۔مولانا قاری حافظ عبدالغفار صاحب سلفیؒ (آپ کے بڑے صاحب زادے جنرل سیکریٹری جماعت غرباء اہل حدیث)

4۔مولانا حافظ محمد یونسؒ صاحب دہلوی (خازن شعبہ مالیات جماعت غرباء اہلحدیث) (4)

5۔مولانا حافظ عبدالرحمان السّلفی صاحبؒ (آپ کے صاحب زادے ناظم مرکزی مدرسہ دارالسلام کراچی)

صحیفہ اہل حدیث جو کہ تقریبا ایک صدی سے تحریری طور پر اسلام کی تبلیغ کر رہا ہے اس کی سرپرستی بھی آپ کے سپرد کر دی گئی۔ والد محترم کی وفات کے بعد جماعت غرباء اہل حدیث پاکستان کی ذمہ داری بھی آپ ہی کو دے دی گئی۔(5)

علامہ عبدالستار محدث سلفی کی تصنیفات

1۔تفسیر ستاری   2۔نصرۃ الباری شرح صحیح بخاری   3۔تفسیر سورۃ فاتحہ   4۔فوائد ستاریہ

5۔تفسیر ہفت پارہ   6۔سولہ سورۃ

7۔**حقیقة التوسل والوسیله**   8۔سماع موتیٰ

9۔**حکم رب الآنام فی ابطال عمل المولد والقیام**

10۔**تکمیل البرهان فی قراة القرآن**   11۔**الدلائل الواثقه فی جواز تسلیمة واحده**   12۔خطبہ امارت

13۔**شمس الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ**   14۔فتاویٰ ستاریہ   15۔پنج سورۃ

16۔سورۃ یاسین

17۔**حکم النبیؐ بکفر من لا یصلی**   18۔ایک اہم سوال اور اس کا جواب

19۔تاریخ مقام اربعہ

20۔**احقاق الحق با بطال الباطل**

21۔**القول الصحیح فی اثبات المسیحؑ**

22۔اقامة الحجة علی النداء الثالث یوم الجمعة فی المسجد ید علی

23۔تحقیق حروف ضاد،واؤ

24۔تنبیه اهل العرش باستواء الله علی العرش

25۔تنبیه الغلاوة فی حلة السلحفاة

26۔ضرب الفاس علیٰ من کره الصلوٰة المکشوف الرأس

27۔مراسم شعبان کی تردید

28۔ملفوظات ستاریہ

29۔الدر الثمین فی الجهر بالتامین(6)

انتقال: علامہ عبدالستار محدث دہلوی 12 جمادی الاول 1386ھ بمطابق 29 اگست 1966 کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔(7)

عصمت انبیاء اور نظم قرآن میں علامہ عبدالستار محدث دہلویؒ کے تفردات

ابتدائے آفرینش سے لے کر نبوت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جتنے بھی پیغمبر و رسول آئے ہیں ان تمام نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچایا ہے۔منصب نبوت اتنا عظیم ہے کہ ان ہستیوں کو گناہوں کے تصور تک سے پاک کر دیا ہے کیونکہ منصب نبوت کا یہ تقاضا ہے کہ جسے بھی بطور نبی یا رسول منتخب کیا گیا ان کی پہلی صفت یہ تھی کہ ان کا کردار اس انداز سے تھا کہ کوئی ان پر حرف زنی نہ کر سکا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ طریقہ رہا ہے کہ جب تک کسی بھی قوم میں رسول نہ بھیج دے اسے عذاب نہیں کرتا چنانچہ ارشاد گرامی ہے کہ:

''وما کان ربک مهلک القری......''(8)

''آپ کا رب کسی کو بھی ہلاک نہیں کرتا جب تک اس میں کوئی رسول نہ بھیج دے''۔

یعنی ہر قوم میں انبیاء اور رسول بھیجے گئے اور کوئی بھی قوم رسول کے بغیر نہ رہی اب رہی یہ بات کہ رسالت کا منصب کیسے دیا جائے کون اس کا اہل ہے۔تو اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ:

''الله اعلم حیث یجعل رسالته......''(9)

''اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے کہ جسے رسالت عطا فرمائی ہے''۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

''اللّٰہ یصطفی من الملائکۃ رسلاً من الناس......''(10)

''اللہ تعالیٰ خود ہی اپنے رسولوں کا انتخاب فرشتوں اور انسانوں میں سے فرماتا ہے''۔

یعنی یہ کوئی کسبی کیفیت نہیں ہے بلکہ عطائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے تو عالم ارواح میں ہی ان ارواح مقدسہ کا انتخاب فرما کر ان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا وعدہ لیا تھا چنانچہ ارشاد گرامی ہے کہ:

''واذ اخذاللّٰہ میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب وحکمۃ......''(11)

''اور جب اللہ تعالیٰ نے نبیین سے وعدہ لیا پھر انہیں کتاب اور حکمت سے نوازا''۔

یہ آیت کریمہ واضح کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ نے انبیاء کا انتخاب عالم ارواح ہی میں کر لیا تھا اور ان سے وعدہ اطاعت مصطفےٰ بھی لے لیا تھا اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرمایا ہے کہ:

''ولکن اللّٰہ یجتبی رسلہ من یشاء......''(12)

''اور لیکن اللہ تعالیٰ منتخب فرماتا ہے جسے چاہتا ہے''۔

اب یہ آیت بھی واضح کرتی ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جو کہ عالم الغیب والشہادہ ہے زیادہ جانتا ہے کہ کون اس منصب کا زیادہ اہل ہے اور اس کے تقاضے کیا ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید اس منصب کے تقاضوں کی طرف کچھ اس طرح نشان دہی کرتا ہے کہ:

''وما نرسل المرسلین الا مبشرین ومنذرین......''(13)

''ہم رسولوں کو صرف اور صرف خوشخبری دینے والے اور اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے (کا منصب دے کر) بنا کر بھیجتے ہیں''۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا قرآن مجید کی کسی بھی آیت سے مبعوث شدہ پیغمبر اور رسولوں سے کسی بھی خامی کے سرزد ہونے کا تذکرہ ہے۔ اگر ہے تو اس کی صحیح توجیہ کیا ہے کیونکہ بعض سطحی قسم کے خطیب حضرات کا یہ غیر منصفانہ خطاب ہوتا ہے کہ انبیاء سے بھی خطائیں سرزد ہوئی ہیں وغیرہ وغیرہ ان آیات اور علماء کے ان خطبات کا صحیح تصور پیش کیا جانا نہایت لازم ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد گرامی ہے کہ:

''قال یا قوم لیس بی سفاھۃ ولکنی رسول......''(14)

''(آپؑ نے) فرمایا کہ اے میری قوم میرے ساتھ کسی قسم کی کوئی بے وقوفی یا جاہلیت یا کوئی بھی خامی (میرے اندر) نہیں ہے''۔

یعنی یہ اعلان اللہ تعالیٰ نے وقت کے نبی سے کرا دیا ہے۔ اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد گرامی ہے کہ:

''انه كان صادق الوعد و كان رسولاً نبياً......''(15)

''بے شک وہ نبی وعدے کے سچے اور مکمل طور پر اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے نبی تھے''۔

چنانچہ حضرت موسیٰ کے حوالے سے قرآن مجید میں ارشاد گرامی ہے کہ:

''واذكر في الكتاب موسىٰ انه كان مخلصاً و كان رسولاً نبياً''(16)

''اور ذرا قرآن کے آئینے میں موسیٰؑ کی زندگی کا مطالعہ کیجئے وہ ہمارے مخلص نبی اور رسول تھے''۔

ایک اور مقام پر قرآن مجید میں ارشادگرامی ہے کہ:

''وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه ليبين لهم......''(17)

''اور ہم نے جس قوم کی طرف جو بھی رسول بھیجا وہ اسی قوم کی زبان میں ہی انہیں شریعت کی تعلیم دیتا تھا''۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ نہ تو شریعت میں کوئی ابہام رہنے دیا گیا اور نہ ہی شریعت بیان کرنے میں اُنکے اقوال، افعال کو قوم اور لوگوں کے سامنے رکھ دیا گیا۔ قرآن مجید کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قوم نے بشر ہی ہونے پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا جسے قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔ ارشادگرامی ہے کہ:

''مالِ هذاالرسول يا كل الطعام ويمشي في الاسواق......''(18)

''حیرت ہے اس رسول پر کہ یہ کھانا بھی کھاتا ہے۔ اور بازاروں میں بھی چلتا ہے، یہ کیسے رسول ہو سکتا ہے''۔

یہ وہ کیفیت تھی جو کہ ان کے نزدیک قابل اعتراض تھی اور کوئی بھی نہیں۔ ان باتوں کا جواب اللہ عالی نے کچھ اس انداز سے دیا۔ ارشادگرامی ہے کہ:

''يا ايها الناس قد جاء كم الرسول بالحق من ربكم......''(19)

''اے لوگو تمہارے پاس رسول برحق آئے ہیں تمہارے رب کی طرف سے''۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی حیثیت کا تعین کو فرما رہا ہے کہ وہ تمہارے رب کی جانب سے ہیں ایک اور مقام پر ارشاد ہے کہ:

''ما كان لرسول الا ان ياتي بآيه باذن الله......''(20)

''کسی بھی رسول کیلئے لائق نہیں کہ وہ کوئی آیت لائے مگر اللہ تعالیٰ کی اجازت سے''۔

اب اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ رسول کی تعلیمات کا ذمہ بھی اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں نبی کے بھیجنے کی غایت کا اعلان ہوا۔ ارشاد گرامی ہے کہ:

''وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللّٰہ ......''(21)

''ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے ان کے بھیجے جانے کا مقصد یہی تھا کہ ان کی اطاعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے کی جائے''۔

اس آیت کریمہ میں یہ وضاحت ہوگئی ہے کہ رسول کو بھیجے جانے کا مقصد اللہ کی اجازت سے اس رسول کے ذریعے بھیجی جانے والی شریعت پر عمل کیا جائے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں تو نہایت اعزازی کیفیت بیان کر دی گئی ہے ارشاد گرامی ہے کہ:

"من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ ......"(22)

''جس نے رسول کی اطاعت کی۔ پس اس نے اللہ کی اطاعت کی''۔

اب اس آیت کے تحت تو ان کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا درجہ دیا گیا ہے۔ وہ یقیناً گنا ہوں خامیوں کے تصور تک سے پاک ہوں گے ورنہ اللہ تعالیٰ ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت کا درجہ نہ دیتا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ انبیاء کے حوالے سے قرآن مجید سہواً ہونے والی خامیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن اس کی توجیہہ بھی پیش کر دی گئی ہے۔ اور درحقیقت کسی بھی شخص علام یا مفسر کیلئے وہ ایک امتحان بھی ہے۔ اس لئے کہ اس سہواً خامی کو تقاریر کا مبحث بنانا یا پھر لاعلم افراد کے سامنے ان کو بیان کرنا ایک عمداً خطا ہو جاتی ہے کیونکہ ہر سننے والا اور سنانے والا ایک جیسی فہم کے حامل نہیں ہوتے۔ ایسی صورت میں ہمیں احتیاط برتنی چاہئے بہت سے مفسرین نے یہاں خطا کھائی ہے اور دیکھا گیا ہے کہ اس کیفیت کو بہت زیادہ اجاگر کرتے ہیں۔

آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ عبدالستار محدث دہلویؒ کی تفسیر میں بطور مفسر کیا توجیہات پیش کی گئی ہیں۔

تفسیر ستاری میں نبوات وسمعیات

نبوات کے حوالے سے بعض لوگ شکوک وشبہات میں پڑے ہوئے ہیں قرآن مجید کی بعض آیات میں غلط توجیہ کرتے ہوئے یہ عقیدہ قائم کر لیتے ہیں کہ انبیاء سے بھی خطائیں سرزد ہو سکتی ہیں حالانکہ یہ عقیدہ نہایت غلط ہے انبیاء کے متعلق یہ عقیدہ نہایت غلط ہے انبیاء کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا انتہائی گمراہ کن ہے اور پھر

اس عقیدہ کی آڑ میں اپنی گناہ گاری کا جواز نکالتے ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں ان واقعات کا ذکر ہے اس کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ اب ہم نبوت کے متعلق مفسر کے نظریات کا جائزہ لینا ضروری سمجھیں گے۔

نبوت:

اس حوالے سے علامہ احمد حسن دہلوی لکھتے ہیں کہ "واضح رہے کہ پورے جہان کی تخلیق رب کائنات کی طرف سے ہے اور انسان کی زندگی کے قانون کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ایسی ہستی کی طرف سے ہو جس کا اختیار مسلم ہو، دوسرے لفظوں میں جسے حیثیت حاصل ہو۔ کیوں کہ انسان انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنے نفع اور نقصان کی پوری حقیقت سے آشنا نہیں ہو سکتا، پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ حیات دنیا کا فنا ہونا اٹل ہے۔ پھر آخرت کی سعادت کا حصول کیسے ممکن ہے؟ پھر بندہ خالق کی معرفت حق، عبادت اور معبود حقیقی کو کیسے پا سکتا؟

مستزاد یہ کہ عقل انسانی کے بھی درجے ہیں اور علم بشری میں بھی تفاوت ہے۔ انسان سے اس کا کوئی جواب نہیں بن پاتا سوائے اس کے کہ مخلوق، خالق کے ہر حکم پر عمل پیرا ہو۔ سب سے معقول بات یہ ہے کہ خدا اس جانب خود ہی رہنمائی فرما دے۔ کیوں کہ ایک موجد ہی اپنی ایجاد کی خوبی وخرابی سے آگاہ ہوتا ہے۔ خالق ہی اپنی مخلوق کی ضروریات کو بہتر طور پر جانتا ہے اور آگاہ ہے زمانے کے مدوجزر نشیب وفراز اور حالات کے حوالے سے مخلوق کی ضروریات جسمانی، روحانی کیلئے ہدایات اور کیفیات مرتب کرنا خالق ہی کو زیبا ہے"۔(23)

اب ہم منصب نبوت کے حوالے سے قرآنی آیات کا جائزہ لیں گے۔

ارشاد باری ہے:

''اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ''(24)

''اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلاً وَّمِنَ النَّاسِ''(25)

''اِلاَّ مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّہٗ یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ رَصَدًا''(26)

''وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ
وَرُسُلِہٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَکُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ''(27)

ان آیات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء ورسل اللہ ہی کے مبعوث کیے ہوئے ہوتے ہیں

جس میں کسی فرد کی ذاتی محنت وریاضت کا کوئی دخل نہیں، اور انہیں خالق نے انسانوں کو راہ ہدایت پر چلانے اور راستہ دکھانے کیلئے مبعوث فرمایا ہے اور ضابطہ زندگی کا انتخاب بھی خود کیا ہے تاکہ کسی بھی قسم کا ابہام باقی نہ رہے اور وقت کے انبیاء پیغام رب کو احسن طریقے سے پہنچا سکیں۔

النبوات کا موضوع:

اس حوالے سے حسن ایوب لکھتے ہیں:

''نبوت اور رسالت پر گفتگو تین پہلوؤں سے ہونی چاہئے۔

۱۔اس نبی اور رسول پر گفتگو جسے اللہ نے اپنی وحی کیلئے منتخب کیا، معجزات کے ذریعے اس کی تائید کی اور اسے قوت بہم پہنچائی۔

۲۔اس کتاب پر گفتگو جو اس پر نازل ہوئی۔

۳۔اللہ تعالیٰ اور وحی کے ذریعے فرشتے سے پیغام وصول کرنے کی کیفیت''۔(28)

نبوت عطیہ خداوندی:

نبوت ورسالت ریاضت ومجاہدہ اور مال وزر سے حاصل کرنا ممکن نہیں۔

''اَللّٰہُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَہٗ''(29)

''اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ ''(30)

ان آیات کی تفسیر میں مفسر ذکر کرتے ہیں کہ ''جب مشرکین مکہ یہ سمجھ گئے کہ وہ ملت ابراہیمی سے دور نکل چکے ہیں تو کہنے لگے ولید بن مغیرہ یا عمرو بن مسعود جیسے مال دار شخص کو رسول ہونا چاہئے تھا۔ مفسر کہتے ہیں کہ ان لوگوں کو اللہ کی حکمت کا نہ کچھ بھید معلوم ہے نہ انہیں اللہ کی حکمت میں دخل دینے کا کچھ حق ہے۔

ولید بن مغیرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مرتبہ بحث کی کہ مال بھی میرے پاس ہے اور لوگ بھی میری بات سنتے ہیں لہٰذا نبی مجھے ہونا چاہئے تھا۔ تو جواب میں اللہ نے فرمایا کہ مجھے زیادہ معلوم ہے کہ میری پیغمبری کا حق ادا کرنے کے لائق کون زیادہ ہے۔ مفسر نے ابن کثیر سے مسند احمد کی ایک روایت نقل کی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ عالم مثال میں اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کو اپنی خدمت کا اہل پا کر اس منصب پر سرفراز کیا۔ یعنی ساری مخلوق میں بہتر وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے والے ہیں''۔(31)

اثبات نبوت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

مفسر نے مختلف مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے اثبات میں دلائل نقل کیے ہیں۔ جن

سے چند مثال کے طور پر پیش کروں گا۔

ا۔ مفسر حضرت زکریاؑ، حضرت مریم، حضرت عیسیٰؑ کی عظمت میں وارد شدہ اس آیت کو نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلیل بیان کرتے ہیں۔

''ذَالِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ ۔ مَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلاَمَهُمْ اَیُّهُمْ یَکْفُلُ مَرْیَمَ وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ''(32)

مفسر کہتے ہیں کہ'' اللہ تعالی نے اس واقعے میں اپنے رسول کی آسمانی وحی ثابت فرمائی ہے۔ یہ واقعہ اور اس طرح کے اور واقعات دنیا میں اہل کتاب کے سوا کسی کو بھی معلوم نہیں یہ واقعات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل کتاب کی مدد کے بغیر بیان کرتے ہیں۔ اہل کتاب اور کفار دل سے یہ جانتے ہیں کہ یہ وحی کے بغیر ممکن نہیں اور انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ آپؐ ہی نبی خاتم ہیں۔ جن کا ذکر ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ رہا نہ ماننا اس کا سبب فقط عناد ہے اسی لئے اہل کتاب یہ واقعات پوچھنے آتے تھے حالانکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جانتے اور پہچانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ہیں۔ مفسر نے مزید حضرت مریم کے حالات زندگی بھی تحریر کیے ہیں جو کہ صرف بذریعہ وحی ممکن ہیں''۔(33)

(۲)۔''قُلْ یٰاَیُّهَاالنَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعاً''(34)

مفسر کہتے ہیں کہ''اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا گیا ہے، اعلان کردیں کہ میں عرب و عجم ،شرق وغرب کے تمام جہانوں کیلئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ مفسر نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث نقل کی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں۔ جو مجھ سے پہلے کسی نبی یا رسول کو نہیں دی گئیں، میں یہ فخر سے نہیں کہتا............الخ میری امت میں سے جو شرک نہ کرے گا میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا۔

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے ایسی ہی ایک حدیث مروی ہے جس میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے میں زمین وآسمان کا خالق ہوں۔ جس کو چاہتا ہوں، زندہ کرتا ہوں جسے چاہتا ہوں، مارتا ہوں۔ میں نے اس میں اپنی وحدانیت ثابت کی ہے پھر لوگوں کو بتلایا ہے کہ نبی امی پر ایمان لاکر اس کی بتائی ہوئی راہ پر چلو، یہ وہی نبی امی ہیں جن کی بشارت تمہیں اگلی کتابوں میں دی گئی تھی۔ مفسر نے اس آیت کے ضمن میں حضرۃ صدیق اکبرؓ اور حضرۃ فاروق اعظمؓ کی خفگی کا ذکر بھی کیا ہے اور یہود و نصاریٰ کو ایمان لانے کی ترغیب بھی دی ہے۔ نہ لانے پر عذاب کی وعید بھی دی ہے۔

(۳)۔ مفسر نے حسب عادت آیت کی تفسیر ان احادیث سے کی ہے جن سے حضور کے خصائص نبوت واضح ہوتے ہیں"۔(35)

"وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَا اِلَى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ"(36)

مفسر فرماتے ہیں کہ" ان آیتوں کو اللہ تعالی نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر دلیل بنایا ہے گذشتہ حالات کی خبر آنکھوں دیکھے حال کی طرح بیان کرنا بھی دعویٰ نبوت کی واضح دلیل ہے"۔(37)

(۴)"وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (38)

مفسر فرماتے ہیں کہ" کفار کہتے تھے اللہ کا رسول بشر نہیں ہوسکتا، فرشتہ ہونا چاہیے، کوئی کہتا، اگر واقعی رسول ہے تو معجزے کیوں نہیں لاتا؟ کفار کی ان باتوں کے جواب میں اللہ تعالی نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق تمہاری بے ادبی اور خفیہ مشوروں کا خمیازہ تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ کیوں کہ کفار کے شبہات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے متعلق تھے اس لئے انہیں کہا گیا ہے کہ تمہارے آس پاس اہل کتاب موجود ہیں، ان سے دریافت کرلو کہ ہمیشہ رسول انسانوں میں سے آئے ہیں۔ بعض حضرات نے یہاں پر تقلید شخصی مراد لی ہے حالاں کہ ایسا نہیں ہے یہاں پر کفار کے شبہات کے ازالے کیلئے یہ آیت اتری ہے"۔(39)

الختصر مفسر نے نبوت کے متعلق جو نظریات پیش کیے ہیں وہ قرآن وحدیث کے مطابق ہیں اللہ تعالی کی طرف سے جس ہستی کو نبوت عطا کرنا مقصود ہوتی ہے وہ کسی سفارش اور کسی زور آوری کو نہیں مانتا وہ رب جسے چاہتا ہے اسے نبوت عطا کردیتا ہے۔

عصمت انبیاء:

مزید وحید الزمان کیرانوی لکھتے ہیں کہ:"اَلْعِصْمَةُ" لغوی معنی"اَلْمَنْع"(روکنا)(40)

"عصمت اس لیے کہا جاتا ہے، کیوں کہ یہ گناہ کے ارتکاب سے روکتی ہے، صاحب المعجم عصمت کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

یہ خدادا ملکہ ہے جو انسان کو قدرت کے باوجود برائی کا ارتکاب اور اس کی طرف میلان سے روکتا ہے"۔(41)

شیخ محمود برکات کے مطابق" عصمت سے مراد اللہ کی حفاظت ہے جو انبیاء اور رسل کو گناہ،

نافرمانی، منکرات اور محرمات میں مبتلا ہونے سے بچاتی ہے۔عصمت انبیاء، رسولوں کو عام لوگوں سے ممیز کرتی ہے۔ یہ اللہ کے حکم سے سلامتی پر ہیشگی اختیار کرنا ہے''۔(42)

مولانا ادریس کاندھلویؒ نے اپنی تفسیر میں عصمت کے چار متعلقات بیان کیے ہیں۔

۱۔عقائد　　۲۔احکام الٰہی کی تبلیغ　　۳۔اجتہاد　　۴۔افعال وعبادات

۱۔عقائد کے حوالے سے انبیاء کفر اور شرک سے معصوم ہوتے ہیں بعثت سے پہلے اور بعد میں بھی ان سے کفر و شرک کا صدور محال ہوتا ہے۔

۲۔تبلیغ میں اللہ کے احکام کی تحریف سے معصوم ہوتے ہیں ان سے جھوٹ سہواً اور غلطی سے بھی سرزد نہیں ہوتا۔

۳۔اجتہاد کے حوالے سے علماء کی رائے یہ ہے اجتہاد میں اگر خطا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے متنبہ فرما دیتے ہیں۔

۴۔افعال کی بات تو انبیاء کبیرہ گناہوں سے کلی طور پر معصوم ہوتے ہیں لیکن ان سے کبھی غیر اولیٰ بات صادر ہو سکتی ہے اس کا شمار معصیت میں نہیں، بلکہ یہ امت کیلئے احکام کا باعث ہوتے ہیں۔معصیت تو ارادے سے حکم کی مخالفت کرنا ہے، سہواً خطا بلا ارادہ سرزد ہو جائے تو اسے معصیت نہیں کہتے''۔(43)

مفسر نے عصمت انبیاء کے حوالے سے شبہات کا ازالہ کرنے کی بھی کوشش کی ہے

(۱)''وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِىَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا''(44)

حضرت آدم اپنا عہد بھول گئے۔''وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى''(45)

کی تشریح میں مفسر لکھتے ہیں کہ''شیطان کے بہکاوے میں آ کر آدم ،حوا نے اس درخت کا پھل کھالیا اس قول کے موافق''وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا''کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں قائم نہ رہے۔مفسر کے مطابق موضح القرآن میں بھی یہی رائے اختیار کی گئی ہے بعض سلف کے مطابق آدم نے یہ کام عزم سے نہیں بلکہ بھول کر کیا تھا''۔(46)

حاصل کلام یہ ہے آیتوں میں بھی''بھول''کا لفظ موجود ہے علماء نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔انبیا سے گناہ کبیرہ سرزد نہیں ہوتا صغیرہ گناہ بھول کر ہو سکتا ہے اور یہ بھول کبھی کبھی پر محمول ہوتی ہے۔نہ کہ عمداً نبی پیدائشی معصوم ہوتا ہے۔

(۲)''قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ''(47)

''اس آیت کے تحت حضرۃ ابراہیمؑ کا پورا واقعہ لائے ہیں فرشتوں کا آنا بھی بیان کیا ہے اور

ضمناً حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ کے ضمن میں مفسر صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت نقل کرتے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حضرت ابراہیمؑ نے اپنی عمر میں دینی ضرورت سے تین باتیں ایسی کہیں جو بظاہر جھوٹ لگتی ہیں۔ ۱۔ تاروں کو دیکھ کر بیماری کا بہانہ ۲۔ بڑے بت نے چھوٹوں کو توڑا ہے ۳۔ اپنی بیوی سارہ کو اپنی بہن ظاہر کیا۔

یہ حدیث ''اِنّیْ سَقِیْمٌ'' کی تفسیر ہے۔ حضرت ابراہیم کی یہ بات منا ہی کے جھوٹ میں شامل نہیں۔ اس لیے یہ کہنا کہ حضرت ابراہیمؑ نے جھوٹ سے کام لیا تو ہم پر کیا پکڑ ہوگی۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ انبیاء تو معصوم ہوتے ہیں وہ تو جو کچھ کرتے ہیں اللہ کی مرضی سے کرتے ہیں۔ یہ تینوں باتیں صحیح ہیں اور اللہ تعالیٰ کے القاء اور وحی کے عین مطابق ہے۔ تاروں کو دیکھنا اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنا مراد ہے بَلْ فَعَلَہٗ کَبِیْرُھُمْ سے مراد یہ ہے کہ اس وقت نبی اپنی امت میں سب سے بڑا ہوتا ہے اور شادی کے بعد کوئی بھی بیوی ایک اسلامی بہن بھی ہوتی ہے۔ حقیقی نہیں یہ تینوں باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں''۔(48)

(۳)''وَلَقَدْ ھَمَّتْ بِہٖ وَھَمَّ بِھَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْھَانَ رَبِّہٖ کَذٰلِکَ لِنَصْرِفَ عَنْہُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ''(49)

مفسر فرماتے ہیں کہ ''اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے بہت اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں قصد دو قسم کا ہوتا ہے، ایک مضبوط قصد، جیسے زلیخا کا تھا، ایک قصد اوپرے دل سے ہوتا ہے، یہ قصد یوسفؑ کا تھا۔ پہلے قصد پر مواخذہ اور دوسرے پر مواخذہ نہیں۔ لیکن صحیح قول یہ ہے، اللہ نے فرمایا حضرت یوسفؑ نے قصد کیا۔ اگر خدا کی طرف سے برھان نہ دیکھ لیتے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی برھان دکھا دی۔ برھان کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بہر حال کوئی نہ کوئی نشانی دیکھی خیال گناہ گناہ نہیں ہے۔ اگر ہے تو کمتر سا اللہ تعالیٰ ہی اپنے پیغمبر کو بچاتا ہے۔ بمقتضائے بشر یہ خیال آتا ہوگا کیوں کہ اس وقت تک باضابطہ طور پر نبوت عطا نہیں ہوئی تھی بہر حال یہ طے ہے کہ اللہ نے اپنی نشانی دکھا کر انہیں برائی اور بے حیائی سے روک دیا''۔(50)

(۴)''فَلَمَّا جَھَّزَھُمْ بِجَھَازِھِمْ جَعَلَ السِّقَایَۃَ فِیْ رَحْلِ اَخِیْہِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُھَا الْعِیْرُ اِنَّکُمْ لَسٰرِقُوْنَ ''(51)

مفسر اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ ''حضرت یوسفؑ نے اپنے سوتیلے بھائیوں کو اس لیے چور ٹھہرایا کہ ان کے سوتیلے بھائیوں نے حضرت یعقوبؑ سے چوری یوسفؑ کو مصر کے قافلے کے ہاتھ بیچ

ڈالا۔

پوشیدہ طریقے سے کوئی جائز مطلب نکالنے کیلئے حیلہ کیا جائے تو شرعاً جائز ہے اللہ تعالی نے حضرت یوسفؑ کے دل میں یہ حیلہ ڈالا کہ ملت یعقوبی کے موافق چوری کی سزا میں اپنے بھائی کو اپنے پاس ایک سال کیلئے روک لو۔ فرماتے ہیں کہ چوری کا الزام سچا تھا کیوں کہ تدبیر یوسف کا منادی کو علم نہیں تھا اللہ تعالی نے اس عمل کی پوری ذمہ داری لی ہے آیت نمبر 76 میں وضاحت کی ہے"۔(52)

(۵)"وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤی اَلۡقَی الشَّیۡطٰنُ فِیۡۤ اُمۡنِیَّتِہٖ فَیَنۡسَخُ اللّٰہُ

مَا یُلۡقِی الشَّیۡطٰنُ ثُمَّ یُحۡکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ"(53)

مفسر کہتے ہیں کہ"حضور سورۃ النجم جس میں لات اور منات بتوں کے ناموں، ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز میں شیطان نے بتوں کی تعریف میں کچھ کلمات کہہ دیئے تو کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ سے بتوں کی تعریف سن کر مسلمانوں کے ساتھ سجدہ کیا مفسر کہتے ہیں کہ اس مضمون کی تصدیق بھی اسی آیت میں موجود ہے کہ جب شیطان اللہ کے کلام میں جو بات ملاتا ہے، اللہ اسے مٹا کر اپنی آیات کو پختہ کر دیتا ہے۔ "وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ" کا مطلب یہی ہے کہ شیطان کی یہ شرارت اللہ کے علم سے باہر نہیں۔ اس شیطانی کاروائی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رنجیدہ ہوئے تو اللہ تعالی نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی کہ آپ پریشان نہ ہوں اس سے پہلے بھی ہوا ہے کہ شیطان نے ایسا کیا ہے"۔(54)

صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں کہ:

"آیت کی اس تفسیر سے کئی اشکال وارد ہو سکتے ہیں مثلاً وحی الہی میں شیطان کی مداخلت، وحی الہی میں بے شعوری۔ میرے خیال میں جمہور علماء کا اس قصہ کو موضوع قرار دینا زیادہ قرین صحت ہے"۔(55)

لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں اس واقعہ کی ایک حقیقت ہے کہ یہ واقعہ ہوا ہے اور ایسا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز میں ملا کر شیطان نقل کر سکتا ہے۔ اور امت کی گمراہی کا سامان کر سکتا ہے۔ اور امت کے خلفاء کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ احتیاط کریں ہو سکتا ہے کہ ان کے ساتھ ایسا ہو جائے۔

(۶)"عَفَا اللّٰہُ عَنۡکَ لِمَ اَذِنۡتَ لَہُمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَتَعۡلَمَ الۡکٰذِبِیۡنَ" (56)

مفسر بیان کرتے ہیں کہ"جس طرح غزوہ بدر کے قیدیوں سے پہلے فدیہ لینے پر اللہ کی خفگی کا حکم

آیا۔اس طرح تبوک کی لڑائی میں بناوٹی عذر پیش کرنے والے منافقین کو رہنے کی اجازت دے دی تو اللہ نے خفگی کا ایسا حکم نازل کیا جس میں خفگی سے پہلے معافی کا ذکر ہے۔اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کمال عنایت کا تذکرہ ہے سزا کے اعلان سے پہلے معافی کا اعلان فرمایا اس کی وجہ غالباً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عالم الغیب نہ ہونا ہے۔"(57)

الختصر مفسر نے عصمت انبیاء کا جو تصور پیش کیا ہے وہ قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے۔نبی سے کسی بھی قسم کی خطا عمداً نہیں ہو سکتی نہ ہی نبی شیطان کے بہکاوے میں آسکتا ہے۔بلکہ مفسرین کے مطابق تو یہ بھی ہے کہ کوئی شیطان بھی کسی نبی کے پاس غلط وسوسہ جات کے ساتھ نہیں آسکتا۔بلکہ ان آیات کی تبیین سے مقصود امتحان ہو کہ کون لوگ ایسے ہیں جو انبیاء کو عمل میں اپنے جیسا سمجھنے لگتے ہیں ان بیانات سے پیدا ہونے والے شکوک کا ازالہ ہو جاتا ہے۔عقیدہ کے لحاظ سے نہایت بہترین توجیہ پیش کی گئی ہے۔

نظم قرآن (آیات اور سورتوں کے درمیان مناسبت)

یہاں مفسر نے تفسیر قرآن میں نظم قرآن کو جو مقام دیا ہے اس کا جائزہ لیتے ہیں لیکن اس سے پہلے ہم نظم قرآن کے معانی تعریفات اور دیگر مفسرین کی نگاہ میں اس کی اہمیت کا جائزہ لیں گے۔

مناسبت کے لغوی معنی:

علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ:

"اَلْمُنَاسَبَۃُ فِیْ اُللُغَۃِ الْمُقَارِبَۃِ وَفُلَانًا یُنَاسِبُ فُلَانًا اَی یَقْرُبُ مِنْہُ وَیُشَاکِلُہٗ"(58)

مناسبت کے لغوی معنی باہم قریب ہونا۔فلاں فلاں سے مناسبت رکھتا ہے یعنی شکل اور ساخت میں مشابہ ہے۔

ادب میں لفظ (المناسبۃ) کا مفہوم:

بعض علماء کے نزدیک "ادب میں جب مناسبت کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس کا مطلب "دو الفاظ یا جملوں میں لفظی یا فکری ومعنوی قربت وہم آہنگی" ہوتا ہے"۔(59)

مناسبت کا اصطلاحی مفہوم:

میاں محمد صدیقی کہتے ہیں کہ "وہ علم ہے جو قرآن حکیم کی آیات اور سورتوں کی ترتیب میں نظم اور ان

میں باہمی ربط و تعلق کی نوعیت اور حکمت سے بحث کرتا ہے"۔(60)

آیات اور سورتوں کے درمیان مناسبت کے حوالے سے علماء کی آراء:

نظم قرآن کے سلسلے میں مفسرین کے تین مکاتب فکر ہیں اور ان تینوں میں کافی فرق موجود ہے۔

ا۔قرآن غیر مربوط کلام ہے:

علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ"اس مکتبہ فکر کے نمائندے شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلامؒ متوفی (660ھ بمطابق 1261ء)اور علامہ شوکانی جیسے علماء ہیں جو قرآن کو منتشر اور غیر مربوط کلام کہتے ہیں جس میں کسی نظم اور ترتیب کی گنجائش نہیں ہوسکتی"۔(61)

میاں محمد صدیقی لکھتے ہیں کہ" علامہ شوکانی فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ قرآن کی آیات اور سورتوں میں ربط اور مناسبت تلاش کرنا قرآن کے ساتھ اعلانیہ ناانصافی ہے"۔(62)

۲۔مناسبت آیات بلاغت قرآن کا جزو ہے:

ڈاکٹر صبحی صالح لکھتے ہیں کہ"دوسرا مکتب فکر جنہوں نے مناسبت آیات کو بلاغت قرآن کا جز قرار دیا ہے امام فخرالدین رازی پہلے امام ہیں جو ترتیب اور نظم آیات کو الفاظ و معانی کی طرح معجزہ قرار دیتے ہیں۔ ابوبکر نیشاپوری امام سیوطی کو اس علم کا بانی قرار دیتے ہیں۔(63)امام رازی کے مطابق قرآن کی حکمتوں کا بڑا حصہ نظم اور ترتیب میں پوشیدہ ہے"۔(64)

"قاضی ابوبکر ابن عربی اپنی کتاب سراج المریدین میں" آیات قرآنی کے باہم تعلق کو عظیم علم قرار دیتے ہیں"۔(65)

جبکہ ڈاکٹر صبحی صالح کے مطابق مناسبت و مشابہت ایک معقول چیز ہے جب اسے عقل کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو وہ اس کو قبول کر لیتی ہے"۔(66)

۳۔مناسبت آیات کثرت مضامین کا حامل ہے:

میاں محمد صدیقی لکھتے ہیں کہ"تیسرے مکتبہ فکر کے سرخیل مولانا حمید الدین فراہی (1349ھ بمطابق 1930ء)ہیں جو نظم قرآن کے ماہر اور محرم راز تسلیم کیے جاتے ہیں جن کے مطابق قرآن مجید کی آیات میں مناسبت کے علاوہ"ایسا جامع اور وسیع نظام اور مرکزی مضمون جو کثرت مضامین کو ایک لڑی میں پرو دیتا ہے"موجود ہے اور قرآنی آیات میں ایک نہایت لطیف ربط پایا جاتا ہے۔مولانا فراہی کی کتاب دلائل

النظام اس موضوع پر حرف آخر ہے''۔(67)

مولانا امین اصلاحی اور ڈاکٹر اسرار احمد نے مولانا فراہی کی فکر کو آگے بڑھاتے ہوئے سورتوں کو سات گروپوں میں تقسیم کیا اور ہر گروپ کا مرکزی مضمون اس طرح نمایاں نظر آتا ہے۔ کہ ''اس کی تمام سورتیں حد درجہ معنوی حسن کے ساتھ پروئی ہوئی محسوس ہوتی ہیں''۔(68)

علم مناسبت کی اہمیت وفوائد:

۱۔فضل الرحمان گنوری لکھتے ہیں کہ ''علم مناسبت سے کلام کے اجزا ایک دوسرے سے مربوط ہو جاتے ہیں معانی میں کشش قوت اور تاثیر بڑھ جاتی ہے''۔ (69)

میاں محمد صدیقی لکھتے ہیں کہ ''علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے مرتب اور منظم کلام کی مثال اس عمارت سے دی ہے جو نہایت محکم اور متناسب اجزاء اور عناصر کی بنیاد پر کھڑی ہو۔

۲۔اسرار شریعت سے واقفیت ،دین کی صحیح روح اور حکمت سے آشنائی حاصل ہو جاتی ہے''۔(70)

۳۔علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ ''قرآن مجید کے بیان کردہ آفاقی ،انفسی اور تاریخی دلائل کی حکیمانہ ترتیب سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔

۴۔علم مناسبت وحدت ملت اور مسلمانوں کی شیرازہ بندی کا ذریعہ ہے اگر تفسیر میں ابتداء ہی سے نظم اور مناسبت کا خیال رکھا جاتا تو انحرافات کے امکانات کم اور اتحاد اور فکر وعمل کے مواقع زیادہ ہوتے''۔(71)

۵۔سید قطب شہید لکھتے ہیں کہ ''قرآن مجید کی بلاغت اور فنی اعتبار سے قرآن کی قدر و قیمت معلوم کی جاسکتی ہے''۔(72)

۶۔صالح صبحی لکھتے ہیں ''سورۃ وآیات میں ربط ،تناسب وتطابق اس قدر ہے کہ اسباب نزول تلاش کرنے کی مطلق حاجت نہیں رہتی یہ فنی ترتیب تاریخی واقعات کا نعم البدل بن جاتی ہے''۔(73)

نظم قرآن کے بارے میں علامہ عبدالستار دہلویؒ کا نظریہ:

مفسر کے خیال میں ''آیات اور سورۃ میں ربط عقلی بنیادوں پر قائم کرنے سے تفسیر میں ضعف پیدا ہونے کا اندیشہ ہے ربط صرف وہی معتبر ہوگا جو احادیث صحیحہ سے اور قرآن مجید کے اپنے سیاق وسباق سے حاصل

ہو۔ مفسر ابن جریرؒ اور ابن کثیرؒ کی طرح اپنی طرف سے ربط پیدا کرنے کی بجائے صرف نقلی روایات پر اعتماد کیا ہے''۔(74)

نظم قرآن (تناسب سور) میں مفسر کا منہج:

مجھے تفسیر ستاری کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ''مفسر نے آیات اور سور میں ربط بیان کرنے میں تکلف سے کام نہیں لیا انہوں نے آیات کی تفسیر میں اصل مطالب اور حکمت پر زور دیا ہے تاہم ثانوی طور پر ربط اور نظم کو بھی موضوع بحث بنایا ہے۔اس سلسلے میں انہوں نے قرآنی آیات کے مضامین کی ہم آہنگی کو بیان کیا ہے۔ سلسلہ کلام میں جملہ معترضہ (اچانک آجانے والی آیات) سے جملہ مشرکین مکہ اور دوسرے انبیاء کی تعلیمات کی تکذیب کرنے والی قوموں کے حالات کی یکسانیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

قرآن کے مطالب اور ربط کے سلسلہ میں مفسر کا ایک متوازن رویہ ہے۔سیاق وسباق سے ربط دشوار ہونے کی مثال سورۃ قیامہ کی آیت ''لا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ ...... ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ '' تک ایسی آیات ہیں جن کا اول وآخری آیات کے مضمون سے کوئی تعلق نہیں۔جن مفسرین نے ان آیات کا سیاق و سباق سے تعلق پیدا کیا ہے ان سے صحیح بخاری اور جامع ترمذی میں عبداللہ بن عباسؓ کی روایات اختلاف کرتی ہیں۔جس میں کہا گیا ہے کہ ان آیات کا اپنے اول اور آخری آیات سے کوئی تعلق نہیں''۔(75)

مفسر لکھتے ہیں'' جب بھی حضرت جبرائیل قرآن لاتے تو ان کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے دل میں پڑھتے جب تک پہلا لفظ سننے میں نہ آتا تو گھبراتے اللہ تعالی نے فرمایا اس وقت پڑھنے کی حاجت نہیں۔سننا ہی چاہئے پھر جی میں رکھوانا پھر زبان سے پڑھوانا لوگوں کے پاس ہمارا ذمہ ہے اور معنی تحقیق کرنے کی بھی حاجت نہیں یہ بھی ہمارا ذمہ ہے اور وقت پر بیان کا سمجھانا جبرئیلؑ کے پڑھنے کو اپنا پڑھنا فرمایا کہ وہ نائب ہیں اسی طرح سورۃ النجم میں''فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ '' ہے''۔(76)

''علامہ احمد حسن دہلویؒ نے بھی اس آیت کا عدم ربط ثابت کرنے کیلئے مقدمہ میں صحیح بخاری اور جامع ترمذی میں عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کا ذکر کیا ہے جبکہ سورۃ القیامہ میں ان آیات کی وضاحت میں امام احمد ،ابو داؤد ،ترمذی ،نسائی ،اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کا تذکرہ کیا ہے''۔(77)

ربط بیان کرنے کے منہج کی چند مثالیں:

ذیل میں ہم مفسر کے ربط بیان کرنے کے منہج کا جائزہ لیتے ہیں۔

ا۔اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر لکھتے ہیں:

''وَاسْتَعِيْنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ''(78)

مفسر فرماتے ہیں کہ ''گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو بری عادات سے منع کیا ہے پھر ان آیات میں عام لوگوں کو دو چیزوں سے ان قبیح عادات کی اصلاح کرنے کو کہا ہے''۔(79)

ا۔الصبر .... اپنے آپ کو برے کاموں سے روکے رکھنا

۲۔الصلوٰۃ ....''اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ''(80)

پھر مفسر نے اپنے موقف کی تائید ''حضرت ابو ہریرہ کی یہ روایت'' جسے امام احمد نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے'' سے کرتے ہیں کہ ایک شخص کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس طرح آیا کہ وہ رات کو نماز پڑھتا ہے اور دن میں چوری کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نماز اس کی چوری کی عادت چھڑا دے گی''۔(81)

ابوداؤد اور مسند احمد میں حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ ''جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل کسی بات سے پریشان ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے''۔(82)

مفسر نے ممیزات نماز میں بیان کرنے کے بعد صحابہؓ کا قول ذکر کیا ہے ''جس شخص کی نماز اسے برائی سے نہ روکے ایسے شخص کو سمجھنا چاہئے کہ گویا اس نے نماز ہی نہیں پڑھی'' یعنی وہ نمازی ہونے کے باوجود بھی بے نمازی ہے اور جب نماز کا اثر اس کی ذاتی زندگی پر نہیں ہو رہا تو اسے نماز کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا وہ دنیا اور آخرت میں رسوا ہوگا۔(83)

سورۃ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ:

''زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاۗءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۰ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۰ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۰ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ''(84)

مفسر فرماتے ہیں کہ "اوپر کی آیت میں ذکر تھا کہ انسان مال و اولاد کے سبب خدا کے عذاب سے بچ نہیں سکتا پھر جہاد کا ذکر تھا جو انسان کو خدا کے عذاب سے بچا سکتا ہے مال و زر اور دنیا کے سارے اسباب فانی ہیں جبکہ آخرت کی نعمتیں لازوال اور ابدی ہیں"۔(85)

۳۔ مفسر سورۃ المائدۃ کی ان آیات میں ربط اس طرح بیان کرتے ہیں۔ اور ان آیات میں یہود کو ان کے حسد اور اعمال قبیحہ جو تنبیہ کی گئی ہے اسے وہ سمجھ لیں۔ ارشاد ربانی ہے کہ:

"لَئِنۡ بَسَطۡتَ اِلَیَّ یَدَکَ لِتَقۡتُلَنِیۡ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیۡکَ لِاَقۡتُلَکَ اِنِّیۡۤ
اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ
اَنۡ تَبُوۡٓاَ بِاِثۡمِیۡ وَ اِثۡمِکَ فَتَکُوۡنَ مِنۡ اَصۡحٰبِ النَّارِ وَ ذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیۡنَ ٭
فَطَوَّعَتۡ لَہٗ نَفۡسُہٗ قَتۡلَ اَخِیۡہِ
فَقَتَلَہٗ فَاَصۡبَحَ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ فَبَعَثَ اللّٰہُ غُرَابًا یَّبۡحَثُ فِی الۡاَرۡضِ لِیُرِیَہٗ
کَیۡفَ یُوَارِیۡ سَوۡءَۃَ اَخِیۡہِ قَالَ
یٰوَیۡلَتٰۤی اَعَجَزۡتُ اَنۡ اَکُوۡنَ مِثۡلَ ہٰذَا الۡغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوۡءَۃَ اَخِیۡ فَاَصۡبَحَ مِنَ
النّٰدِمِیۡنَ "(86)

مفسر لکھتے ہیں کہ "ان آیات سے پہلے نبوت کا انکار کرنے والے یہودی نافع بن حرملہ کا ذکر تھا۔ قابیل اور ہابیل کے قصہ سے یہودیوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ یہود تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشانیوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی اولاد کی طرح پہچانتے ہیں نبوت کا انکار صرف حسد کی بنیاد پر کرتے ہیں کہ نبی بنی اسماعیلؑ سے ہونے کی بجائے بنی اسرائیل ہونا چاہئے تھا قابیل کے حسد کے حوالے سے اتنی سزا ہی کافی ہے کہ حاسد محسود سے جلتا اور کڑھتا رہتا ہے۔ یہود ہمیشہ مسلمانوں سے اسی بنیاد پر حسد کرتے چلے آئے ہیں اور انہیں کسی بھی پل آرام نہیں ہے وہ آئے دن منصوبے بنائے رکھتے ہیں"۔(87)

۴۔ اللہ کے قول:

"وَ لَقَدِ اسۡتُہۡزِئَ بِرُسُلٍ مِّنۡ قَبۡلِکَ فَاَمۡلَیۡتُ لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ثُمَّ اَخَذۡتُہُمۡ فَکَیۡفَ
کَانَ عِقَابِ "(88)

کے ضمن میں مفسر لکھتے ہیں "اوپر کی آیات میں کفار مکہ کے مطالبے "یہاں پہاڑ کی جگہ باغ بنا دے، مُردوں سے ہماری بات کرا دے، حضرت سلیمان کی طرح ہوا ہمارے تصرف میں دے دے"۔

ذکر کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ ان سے پہلے والی امتوں نے بھی اپنے رسولوں کے ساتھ یہی کچھ کیا تھا۔ کفار مکہ بھی اپنے استہزاء کے سبب ان جیسے عذاب میں مبتلا ہوں گے"۔(89)

اللہ تعالیٰ کا فرمان:

"رَبَّنَآ اِنَّکَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

الَّذِیْ وَھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ • اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَا رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ

وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ"(90)

مفسر لکھتے ہیں کہ "ان آیات سے حضرت ابراہیمؑ کو مکہ آباد کرنے اور لوگوں کو اس طرف متوجہ کرنے کی دعا کا ذکر ہے ان آیات میں حضرت ابراہیمؑ کا مقصود رب کی رضا ہے پھر اپنے اور مومنوں کیلئے مغفرت کی دعا ہے۔

"اِنَّکَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ" سے سورۃ بقرۃ میں نبی آخرالزمان کی بعثت کی دعا کی طرف اشارہ ہے اور یوم یقوم الحساب سے حضرت ابراہیمؑ کا حضرت ہاجرۃ اور حضرت اسماعیلؑ شیرخوار کے ویران جنگل میں چھوڑنے کی جدائی غم اور رنج کے بدلے قیامت کے دن اچھے اجر کی طرف اشارہ ہے"۔(91)

"بخاری، ترمذی، مسند بزار کی ابو برزۃؓ اور معاذ بن جبلؓ کی صحیح روایات جن میں چار باتوں کی جواب دہی کا ذکر ہے سے حساب کیسے ہوگا کی وضاحت ہو جاتی ہے"۔(92)

الختصر مفسر نے نظم قرآن کے سلسلے میں تکلف سے کام نہیں لیا۔ عقلی بنیادوں پر تعلق قائم کرنے کے بجائے احادیث صحیحہ اور قرآن کے اپنے سیاق وسباق پر انحصار کیا ہے۔ آیات کی تفسیر میں مطالب وحکمت پر زور دیا ہے ثانوی طور پر کہیں کہیں ربط اور نظم کو بھی بیان کیا ہے۔ تاکہ قاری قرآن مجید کی تفہیم کے صحیح مقصود تک پہنچ جائے۔ اور پھر رب کائنات کے مقصود کو سمجھ کر اس پر عمل کرے اور اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بننے کی کوشش کرے نیز غیر مستند تفسیر کو اپنا کر اپنی عاقبت کو برباد نہ کرلے اس کی عدم رغبتی اس کیلئے دین سے دوری کا سبب نہ ہو جائے۔

حوالہ جات وحواشی

1۔ دہلوی، علامہ عبدالستار، تفسیر ستاری مرتبہ ابو سلطان احمد میانوالوی، مطبوعہ مکتبہ ایوبیہ برنس روڈ کراچی 1965ء، ج:1،ص:23

2۔ ایضاً،ص:25

3۔ ایضاً،ص:27

4۔ ایضاً،ص:28

5۔ ایضاً،ص:29

6۔ ایضاً،ص:38

7۔ ایضاً،ص:43

8۔القصص(28):59

9۔الانعام(6):124

10۔الحج(22):75

11۔آل عمران(3):18

12۔آل عمران(3):179

13۔الانعام(6):48

14۔الاعراف(7):61

15۔مریم(19):54

16۔آل عمران(3):51

17۔ابراہیم(14):4

18۔الفرقان(25):7

19۔النساء(4):170

20۔الرعد(13):38

21۔النساء(4):64

22۔النساء(4):80

23۔دہلوی، احمد حسن، تفسیر نظریات، (از امیر شعبہ علوم اسلامیہ BZU ملتان)،ص:78

24۔القرآن، الانعام(6):124

25۔القرآن، الحج(22):75

26۔القرآن، الجن(72):26,27

27۔القرآن، آل عمران(3):179

28۔حسن ایوب، اسلام کی بنیادیں، (الاتحاد الاسلامی العالمی 1983ء)،ص:177،178

29۔القرآن، الانعام(6):124

30۔القرآن، الحج(22):75

31۔دہلوی، عبدالستار، تفسیر ستاری، ج:3،ص:482

32۔القرآن، آل عمران(3):44

33۔دہلوی، عبدالستار، تفسیر ستاری، ج:2،ص:80

34۔القرآن، الاعراف(7):158

35۔دہلوی، عبدالستار، تفسیر ستاری، ج:2،ص:244

36۔القرآن،القصص(28):44

37۔دہلوی،عبدالستار،تفسیر ستاری،ج:3،ص:551

38۔القرآن،الانبیاء(21):7

39۔دہلوی،عبدالستار،تفسیر ستاری،ج:3،ص456

40۔لسان العرب،العمادی،ابوسعود،ج:12،ص:403،المعجم الوسیط،(طبع ایران)، ج:2،ص:605؛ کیرانوی،وحید الزمان،القاموس الوحید،(ادارہ اسلامیات لاہور)،ص:1089

41۔المعجم الوسیط،ج:2،ص:605

42۔برکات محمود قضایا النبوات،(مجلس اشاعت اسلام لاہور1973ء)،ص:166

43۔معارف القرآن،ج:1،ص:103-104

44۔القرآن،طٰہٰ(20):115

45۔القرآن،طٰہٰ(20):121

46۔دہلوی،عبدالستار،تفسیر ستاری،ج:3،ص:352

47۔القرآن،الانبیاء(21):63

48۔دہلویؒ،عبدالستار،تفسیر ستاری،ج:1،ص:400

49۔القرآن،یوسف(12):24

50۔دہلوی،عبدالستار،تفسیر ستاری،ج:2،ص:338

51۔القرآن،یوسف(12):70

52۔دہلوی،عبدالستار،تفسیر ستاری،ج:2،ص:346

53۔القرآن،الحج(22):52

54۔دہلوی،عبدالستار،تفسیر ستاری،ج:3،ص:480

55۔معارف القرآن،ج:5،ص:34تا37

56۔القرآن،التوبہ(9):43

57۔دہلوی،عبدالستار،تفسیر ستاری،ج:2،ص:276

58۔سیوطی، البرہان فی علوم فی القرآن ،ج: 1،ص: 35 ؛ سیوطی الاتقان فی علوم القرآن،

ج:3،ص371،مصر1279ھ:

59۔اردو دائرہ معارف اسلامی،دانش گاہ پنجاب لاہور1977ء،ج:10ص:287

60۔صدیقی،میاں محمد،علوم القرآن،ص:87ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد1997ء،بحوالہ مناع خلیل قطان ص:97مباحث فی علوم القرآن،بیروت۔

61۔سیوطی الاتقان فی علوم القرآن،ج:3،ص:124؛ عثمانی محمد تقی،علوم القرآن،مکتبہ دار العلوم کراچی1396ھ،ص266

62۔صدیقی،میاں محمد،علوم القرآن،ص:110

63۔صالح صبحی ڈاکٹر،علوم القرآن،ملک سنز پبلشرز فیصل آباد1986،ص:214

64۔الاتقان فی علوم القرآن،ج:2،ص:127

65۔الاتقان فی علوم القرآن،ج:2،ص:124

66۔علوم القرآن،ص:233

67۔صدیقی،علوم القرآن،ص118-122

68۔اسرار احمد،قرآن کی صورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ،مکتبہ انجمن خدام القرآن لاہور، 1409ھ،ص15-20

69۔گنوری،فضل الرحمان،زمخشری کی تفسیر کشاف کا تحلیلی جائزہ،علی گڑھ یونیورسٹی بھارت 1982ء،ص158-177

70۔صدیقی،علوم القرآن،ص:88,87

71۔زمخشری،کشاف،ج:2،ص:300

72۔قطب سید شہید،قرآن مجید کے فنی محاسن،طارق اکیڈمی فیصل آباد1994ء،ص127,128

73۔صالح صبحی،علوم القرآن،ص223

74۔مقدمہ تفسیر ستاری،ج:1،ص:14

75۔ ایضاً

76۔تفسیر ستاری،ج:2،ص:812

77۔ ایضاً

78۔القرآن البقرۃ(2):45

79۔تفسیر ستاری،ج:2،ص:11

80۔القرآن العنکبوت(29):45

81۔تفسیری ستاری،ج:3،ص:567

82۔ مسند احمد، طبع قدیم مصر، ج:2،ص:388؛ تفسیر ابن کثیر، ج:1،ص:87

83۔ تفسیر ستاری، ج:1،ص:11

84۔ القرآن آل عمران (3):14-15

85۔ تفسیر ستاری، ج:2،ص:74

86۔ القرآن المائدہ (5):28-31

87۔ تفسیر ستاری، ج:2،ص:159

88۔ القرآن الرعد (13):32

89۔ تفسیر ستاری، ج:2،ص:359

90۔ القرآن الابراہیم (14):38-41

91۔ تفسیر ستاری، ج:2،ص:468

92۔ صحیح بخاری، باب من نوقش الحساب عذب، ج:2،ص:967

☆☆☆☆☆